© rasailojaraid.com

مسئلۂ ربا

(ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی)

ربا یا سود کی حرمت کے بارے میں کچھ دن ہوئے اخباروں میں مختلف بیانات شائع ہوئے۔ اس مضمون میں ان بیانات سے قطع نظر، قرآن پاک کی آیتوں کے معانی کو سامنے رکھ کر نتائج پر غور و خوض کرنا مقصود ہے۔ ان بیانات کا لب لباب یہ ہے:-

(۱) "قرآن نے خاص اس ربا کو حرام قرار دیا ہے جو عرب میں اضعاف و مضاعفت کی شکل میں رائج تھا۔

(۲) "الربا" اور "اضعافا مضاعفۃ" دونوں قسم کے الفاظ قرآن میں ایک مفہوم اور معنی کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

(۳) ربا کی تعریف یہ ہونی چاہیے: "ادائیگی قرض کی مقررہ مدت میں تاخیر کے عوض میں راس المال پر اتنا اضافہ جس سے وہ اضعافا مضاعفہ ہو جائے ربوا ہے۔"

(ا)

اس حقیقت پر سب کا اتفاق ہے کہ مدینۂ طیبہ میں ربا کی حرمت کا اعلان کیا گیا:

یا یھا الذین امنوا لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفۃ، واتقوا اللہ لعلکم تفلحون: (سورۂ آل عمران ۳: ۱۳۰)	اے ایمان والو! ربا جو دگنا، تگنا، چوگنا ہو جاتا ہے، مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بیشک تم فلاح پاؤ گے۔

اس آیت پاک سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ربا بشکل "اضعافا مضاعفۃ" حرام ہے۔

قرآن پاک نے صرف اسی ایک آیت پر اکتفا نہیں کیا۔ سورۂ بقرہ کی آیات ۲۷۴ تا ۲۸۰ میں سے حسب ذیل تین آیتوں پر توجہ کی ضرورت ہے:

(۱) احل اللہ البیع وحرم الربوا "	اللہ نے بیع کو تو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دیا ہے۔

یہ آیت پاک اس وقت نازل ہوئی جبکہ کفار نے جو ربا کے پروردہ تھے اور اس کو حلال سمجھتے تھے، نیز حرمت ربا کے اعلان پر یہ استدلال کرتے تھے کہ بیع یعنی خرید و فروخت نفع و سود کے لئے ہے اور ربا بھی نفع ہے، غرض ان کا دعویٰ تھا: "انما البیع مثل الربوٰا" (خرید و فروخت تو ربا ہی کے مانند ہے) اس دلیل کے رد میں نص قرآنی ناطق ہے "(یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟) اللہ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے"

اس آیت کی توضیح میں یہ کہا جاتا ہے کہ "ربٰوا" پر ال عہد کے لئے ہے اور اس سے مراد ربائے اضعافاً مضاعفہ ہے، بظاہر یہ بات واضح اور معقول معلوم ہوتی ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے بعد فرمایا ہے:

"یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوٰا ان کنتم مومنین۔"

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ ربا میں سے باقی رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔"

اللہ! اللہ! کس قدر تہدید ہے! مگر مزید تہدید سنیئے:

"فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ"

"اگر تم نے نہیں چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کو تیار ہو جاؤ۔"

الاماں! والحفیظ!! پھر ملاحظہ ہو:

"فان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔"

"پس اگر تم نے توبہ کرلی تو تمہارے لئے جائز ہے کہ اپنا اصل مال لے لو، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔"

اگر "ربٰوا" سے "ربا اضعافاً مضاعفہ" ہی سمجھا جائے تو پھر "ذروا ما بقی من الربوٰا" کا کیا مفہوم ہوگا؟ کیونکہ اس آیت پاک کے مطابق ربا کے حقیر ترین جز کو بھی چھوڑنا لازم ہے، اسی طرح اگر "الربوٰا" کا مفہوم "الربا اضعافاً مضاعفہ" کے حقیر ترین جز کو چھوڑنا ہی سمجھا جائے تو پھر آیت پاک: "وان تبتم فلکم رؤس اموالکم" (اگر تم نے توبہ کرلی تو تمہارے لئے تمہارا راس المال لینا جائز ہے) کا مفہوم کیا بنے گا؟

ان دونوں آیتوں کے مفہوم کو سامنے رکھنا لابدی ہے۔ "اضعافاً مضاعفہ" پر زور دیتے ہوئے ان دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیتوں سے غفلت برتنا بڑی ضلالت و گمراہی ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ ربا کی مذمت مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رہتے ہوئے کی گئی:

"وما آتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ۔"
(سورۂ روم ۳۰ : ۳۹)

"اور وہ ربا جو تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں زیادتی ہو تو اللہ کے نزدیک ربا بیہ مال بڑھتا نہیں ہے۔"

اگرچہ اس آیت پاک میں ربا کی حرمت بیان نہیں کی گئی ہے مگر مضمون اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ یہ ربا اللہ کے نزدیک مذموم ہے مستحسن نہیں۔ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور مکہ کے مشرکین کے ربا کی مذمت مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس "ربا" پر "ال" عہد کا نہیں، اس لئے اس پر "ربا اضعافا مضاعفۃ" کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ اس "ربا" کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی "ربا" کی حالت کو آیت تحریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

"لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ"

"یعنی ربا کو نہ کھاؤ جس کی حالت یہ ہے کہ دگنا تگنا ہوتا جاتا ہے۔"

سارے مفسرین نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

ابوجعفر طبری نے اس آیت کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے:

"یا ایہا الذین آمنوا باللہ ورسولہ لا تاکلوا الربوا فی اسلامکم بعد اذ ھداکم لہ کما کنتم تاکلونہ فی جاھلیتکم۔"
(تفسیر دار المعارف مصر، جزء ۷ ص ۲۰۴)

"یعنی اے لوگو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو ربا نہ کھاؤ اپنے اسلام لانے کے بعد جبکہ تم کو اللہ نے اپنی طرف ہدایت فرمائی جیسا کہ تم ربا اپنی جاہلیت کے زمانے میں کھاتے تھے۔"

اس جاہلیت کے زمانے کے ربا کی مزید وضاحت خود طبری کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"وکان اکلھم ذلک فی جاھلیتھم ان الرجل منھم کان یکون لہ علی الرجل مال الی اجل، فاذا حل الاجل طلبہ من صاحبہ، فیقول لہ الذی

ان کا اپنی جاہلیت کے زمانے میں ربا کھانا اس طرح کا تھا کہ ان میں سے کسی کا مال کسی کے ذمہ ایک معین مدت تک ہوتا، جب مدت ختم ہوتی تو صاحب مال اپنا مال ذمہ دار سے طلب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیه المال : أخّرعنی دینك و ازیدك علی مالك . فیفعلان ذلك فذلك هو" الربا اضعافا مضاعفة" فنهاهم الله عزّوجلّ فی اسلامهم عنه"	کرتا، ذمہ دار شخص صاحب مال سے کہتا کہ اپنے قرض کو کچھ عرصہ کے بعد واپس لو میں تمہارے مال پر اضافہ کروں گا، دونوں اس پر راضی ہو جاتے، یہی "ربا اضعافا مضاعفہ" ہے، اللہ عز وجل نے ان کو اس ربا سے اسلام لانے کے بعد منع کر دیا۔"

اس آیت کی تفسیر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "اضعافا مضاعفہ" صرف ربا کی حالت کی وضاحت ہے علت نہیں اور نہ اسے قید کہنا صحیح ہوگا۔ قرآن پاک کی آیتیں جیسا کہ قبل تصریح گزر چکی : ذروا ما بقی من الربا (یعنی راس المال سے زائد جو کچھ باقی رہے اس کو چھوڑ دو)، اور لکم رؤس اموالکم (یعنی تمہارے لئے تمہارا راس المال حلال ہے) صاف لفظوں میں اس کی پوری طرح تائید کرتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرآن پاک کی آیتوں سے یہ ظاہر ہے کہ ربا حرام ہے، صرف ایک آیت میں ربا کی تشریح "اضعافا مضاعفہ" جیسے دو لفظوں سے کی گئی ہے۔

ربا عرفی میں مشہور و معروف لفظ تھا جس کے معنی کی وضاحت سورۂ روم کی آیت :

وما آتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس ۔	جو کچھ زیادہ تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں زیادتی ہو تو جان رکھو کہ اللہ کے نزدیک یہ مال بڑھتا نہیں ہے۔

سے ظاہر ہے۔ یہ بھی معروف و مشہور ہے کہ یہ ربا قرض لین دین میں عام طور پر رائج تھا، سارے صحابہ کرامؓ اس معنی سے واقف تھے اور قرض لین دین میں ان آیات کے احکام کی بنا پر کسی قسم کی زیادتی کو حرام ربا سمجھتے تھے یہ تھی قرآن ربا کی تشریح۔

(۳)

تاریخ شاہد ہے کہ ربا یا سود ہر زمانے میں اور ہر قوم میں حرام رہا ہے۔ یہودیوں کی ذلت و خواری یورپ اور انگلستان میں اسی سود خواری کی وجہ سے رہی ہے۔ انگلستان میں سنہ ۱۸۳۳ء کے ایک ایکٹ (OF 1833

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Civil Procedure Act ۳ ؁ کے ذریعہ سے اولین بار "انٹرسٹ" یا سود کی اجازت دی گئی تھی اور یہ شرط لگائی گئی تھی کہ وقتی معمولی شرح سے تُماں قدر شرح مقرر نہ کی جائے۔

عربوں میں اسلام سے پہلے انھیں یہودیوں کی بدولت یہ علّت عام ہوگئی۔ اور ربا عام طور پر رائج ہوگیا، بلکہ روپے قرض دیکر سود لینے کو تجارت اور بیع کی ایک شکل سمجھنے لگے، قرآن پاک نے اسی لئے

"احل اللہ البیع وحرم الربوا" "اللہ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے"

سے ان کے نظریہ کی تردید کردی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کی تشریح اپنے الفاظ و احکام سے مزید کردی، چنانچہ سنن ابن ماجہ ؒ نے حضور ؐ کے قول کی روایت کی ہے:

"قال الربا ثلاثۃ وسبعون بابا" "ربا کے تہتر دروازے ہیں"۔

حضرت اسامہ بن زید حضور ؐ کے قول کو اس طرح روایت کرتے ہیں:

"انما الربا فی النسیۃ" "یعنی ربا (حرام سود) ادھار لین دین ہی میں ہے"۔

چنانچہ حسب بیان امام الجصاص (المتوفی ۳۷۰ھ : احکام القرآن صفحہ ۴۶۶)، حضرت ابن عباس ؓ صرف اُدھار لین دین میں زیادتی کو ربا (حرام سود) سمجھتے تھے، اور سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے کو جائز سمجھتے تھے مگر جب تواتر کے ساتھ لوگوں نے حضور ؐ کی اس حدیث کو بیان کیا جس میں چھ چیزوں کی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کو حرام قرار دیا گیا ہے تو اپنے قول سے حضرت ابن عباس ؓ نے رجوع کیا حضور ؐ کا فرمان یہ ہے:

"گیہوں گیہوں کے ساتھ، جَو جَو کے ساتھ، سونا سونے کے ساتھ، چاندی چاندی کے ساتھ، کھجور کھجور کے ساتھ، نمک نمک کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ برابر برابر تبادلہ کرنا چاہیئے۔ اگر ذرہ برابر بھی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو یہ حرام ہے"۔

ہاں دو قسم کی جیسی چیزوں کے تبادلہ کو کمی بیشی کے ساتھ جائز قرار دیا گیا غرض اس حدیث سے بارٹر سسٹم یعنی اشیاء کے تبادلہ کی صورتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اور بیع کی اس خاص شکل میں بھی شارع اسلام ؐ نے اصلاح کردی کہ ایک ہی جنس کے تبادلہ میں برابری اور فوری ادائیگی کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ زیادتی کے ساتھ یا اُدھار لین دین جائز نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ طبری (تفسیر جلد ۶، صفحہ ۲۰۴، دار المعارف) نے ابن زید کے بیان کو قلم بند کیا ہے کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں قرض کی رقم کو دُونا کرنے اور قرض کے جانور کی عمر کو زیادہ کرنے میں ربا یا حرام سُود سمجھا جاتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خرید و فروخت کی صُورتوں میں ربا کا شائبہ تک نہ تھا۔ چنانچہ اس روایت کا بقیہ حصّہ یہ واضح کرتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں مدّت قرض کے ختم ہونے پر قرض خواہ قرض دار سے کہتا کہ رقم ادا کرتے ہو یا زیادہ دینا چاہتے ہو؟ اگر قرضدار کے پاس رقم ہوتی تو وہ ادا کر دیتا ورنہ وقت کی مہلت لیتا اور اس مہلت کے عوض رقم میں اضافہ قبول کرتا۔ اگر قرض میں کم سن اونٹ ہوتا تو سن رسیدہ اونٹ دینے کا اقرار کرتا۔ اسی دُونا کرنے کی حالت کو قرآن پاک نے "اضعافا مضاعفۃ" سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ:

"ربا نہ کھاؤ جس کی حالت یہ ہے کہ دوگنا سہ گنا ہو جاتا ہے۔"

جاہلیت کے زمانے میں خرید و فروخت میں بھی ربا کا رواج عام تھا، چنانچہ ابُو بکر ابن العربی اپنے احکام القرآن میں (صفحہ ۲۴۱) فرماتے ہیں:

"عرب کے لوگ خرید و فروخت میں ربا دیتے لیتے تھے، ان کے نزدیک ربا کی یہ صُورت مشہور تھی کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک مدّت کے لئے خرید و فروخت کرتا، جب وقت موعود آپہنچتا تو کہتا کیا تم قیمت دیتے ہو یا ادائیگی کسی دوسرے وقت پر اُٹھا رکھتے ہو، بشرطیکہ قیمت میں اضافہ کرو؟"

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس، فلا یربوا عند اللہ"

جو مال تم زیادہ دیتے ہو کہ مال میں اضافہ ہو تو یاد رکھو، اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں اور یہ حکم دیا کہ زیادہ کو چھوڑ دو۔

بنو ثقیف نے حضورؐ سے اس بات کا عہد کیا تھا کہ جو کچھ ربا کی رقم ان کے ذمّہ یا دُوسروں کے ذمّہ ہے، سب باطل ہے، اور ادا نہیں کی جائے گی۔ فتح مکّہ کے بعد جب حضرت عتّاب بن اسید مکّہ کے عامل مقرر ہُوئے تو ان کے سامنے بنو مغیرہ کا مقدمہ پیش ہُوا، بنو مغیرہ اور بنو عمرو میں جاہلیت کے زمانے سے لین دین تھا۔ اسلام لانے پر بنو مغیرہ کے ذمّہ ربا کی بڑی رقم واجب الادا تھی، بنو عمرو نے جب مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے ربا کی رقم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادا کرنے سے انکار کیا۔ عتابؓ نے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا تو یہ آیت نازل ہوئی:

"ذروا ما بقی من الربا ...." "یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ربا
میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو
اگر تم ایمان رکھتے ہو، اگر تم نہیں چھوڑتے تو
اللہ اور اُس کے رسُول کے ساتھ جنگ کرنے
کو تیار ہو جاؤ۔"

حضورؐ نے عتابؓ کو لکھ بھیجا کہ:-

"اگر وہ مطالبہ سے باز آئیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان پہ اللہ کا عذاب ہوگا۔"

غرض اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ صرف سرمایہ کی رقم واجب الادا ہے اور ربا کی رقم ظالمانہ زیادتی ہے، جس کا لینا دینا حرام ہے۔

حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"جاہلیت کے معاملوں کا ربا میرے دونوں قدموں کے نیچے ہے، اور اوّلین ربا جس کو میں باطل قرار دیتا ہوں وہ عباسؓ بن عبدالمطلب کا ربا ہے۔"

صرف یہی نہیں، آپؐ نے عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی، جن سے آپؐ نے معاہدہ کیا، یہ حکم دیا کہ ربا کے ساتھ لین دین نہ کریں۔ حالانکہ اسلام نے ذمیوں کے لئے شراب و خنزیر کی تجارت کی اجازت دی ہے، اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ:

"غیر مسلموں کے لئے شراب ویسے ہی حلال ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ، اور ان کے یہاں خنزیر ویسا ہی ہے جیسے ہمارے نزدیک بکری۔"

غرض آپؐ نے اسلامی قلمرو میں غیر مسلموں کو اجازت دی کہ ان چیزوں کی خرید و فروخت اپنے درمیان کر سکتے ہیں۔

مگر چونکہ ربا نظامِ معیشت کے لئے بے حد مضر تھا اس لئے حضورؐ نے ذمیوں سے عہد لیا کہ وہ نہ ربا لیں گے نہ دیں گے، ربا ایک معاشی جُرم قرار پایا جس کی اجازت کسی حال میں بھی نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ حضورؐ نے اہل نجران سے جو عیسائی تھے، جب معاہدہ کیا تو اس معاہدے میں (ابو عبیدہ کتاب الاموال صفحہ ۱۸۷) یہ الفاظ بھی تھے:

© rasailojaraid.com

علی ان لایاکلوا الربا. فمن اکل الربا من ذی قبل فذمتی منه بریئة.

یعنی ان سے عہد لیا جاتا ہے کہ وہ ربا نہ کھائیں گے، جنھوں نے ربا کھایا تو وہ ہم سے بری الذمہ ہیں۔

اہل نجران اس معاہدے پر برابر قائم رہے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں انھوں نے تجدید عہد کی، جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو چونکہ اہل نجران ربا میں مبتلا ہوگئے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کو جلاوطن کر دیا۔

ابوعبید نے حضورؐ کے قول کی تشریح میں لکھا ہے" غور کیجئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے بارے میں بڑی سختی سے کام لیا، اور باوجود غیر مسلم ہونے کے اہل نجران کے لئے اس کو جائز نہیں قرار دیا۔ حالانکہ حضورؐ کو معلوم تھا کہ وہ اس سے بھی عظیم تر معاصی کے مرتکب ہیں، اور شرک اور شراب وغیرہ میں مبتلا ہیں حضورؐ کا مقصد صرف مسلمانوں کو ربا سے دور رکھنا تھا کیونکہ اگر یہ لوگ ربا کے ساتھ معاملہ کرتے تو مسلمان ربا سے نہ بچ سکتے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ربا میں مبتلا ہونے پر ان کو جلاوطن کر دیا۔

اسی طرح حضورؐ نے بنو ثقیف کے ساتھ معاہدہ کے وثیقہ میں یہ تحریر فرمایا:-

"وما کان لهم من دین فی رهن فبلغ اجله فانه لواطٌ مبرأ من الله."

"یعنی بنو ثقیف کا جو دین ہے کسی رہن کے بارے میں جو میعاد کو پہنچ چکا ہے تو یہ ربا ہے جس سے اللہ بری ہے۔"

اس عہد نامے کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"وما کان لهم فی الناس من دین فلیس علیهم الا راسه."

"یعنی لوگوں میں ان کا جو دین ہے تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ صرف راس مال یعنی اصل پونجی لیں۔"

ان عہد ناموں کے متعلق کسی کو کچھ شک وشبہ نہیں ہوسکتا، اور نہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایتیں بعد کی صدیوں بعد کی پیداوار ہیں، کیونکہ ان کو محدثین کے علاوہ مؤرخین نے بھی نقل کیا ہے، اور یہ احکام خود حضورؐ کے حکم سے لکھے گئے اور صحابہ کرام میں سے دو تین کے دستخط بھی ثبت تھے، اور پھر حضورؐ کی مہر سے بھی مزین تھے۔

علاوہ ازیں ان عہد ناموں کے مطابق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی عمل کیا۔ ان میں صاف صاف "عام ربا" کے لینے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، جس کا تعلق صرف قرض یا دین ہی سے نہیں، بلکہ رہن کے ربا کو بھی واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، نیز ادھار یعنی دین کو بھی ربا کہا گیا ہے، جس سے ربا کی شرعی حیثیت ظاہر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضورؐ کے اقوال و احکام سے یہ ظاہر ہے کہ آپؐ نے ربا کو حرام قرار دیا اور سُود کو سخت ترین سماجی جرم قرار دیا، حتیٰ کہ ذمیوں کے لئے بھی اس کو روا نہ رکھا، حالانکہ آپؐ نے ان کے شرک اور شراب پینے کو روا رکھا، اور اس بارے میں صبر و تحمّل سے کام لیا، صحابہ کرامؓ ان احکام کی خلاف ورزی کیونکر کرتے؟ مختلف احادیث سے ربا کی مختلف شکلوں کی وضاحت ہو چکی تھی، البتہ یہ بات ظاہر نہ ہوئی تھی کہ حدیثوں میں ربا کی ساری شکلیں پوری طرح واضح کی گئی ہیں یا نہیں۔ اسی لئے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ[9]:

"آیت ربا آخر میں نازل ہوئی، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دُنیا سے تشریف لے گئے اور اس آیت کی پُوری طرح وضاحت نہ ہوئی، اس لئے ربا اور شبہ کے معاملوں کو چھوڑ دو۔"

(دعوا الربا و الريبة)

اس قول سے احتیاط کا حکم صاف طور پر ظاہر ہے، اور چونکہ اس کے خلاف کسی صحابیؓ کا کوئی قول مروی نہیں اس لئے اجماع سکوتی کے درجہ کا حکم ہے، بلکہ عام ربا سے احتراز اور عام سُود کی حُرمت قرآن و حدیث کے علاوہ اجماع صحابہ کے عمل سے بھی ثابت ہے، اس لئے حکمِ نبویؐ اور صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلنا مُسلمانوں کا فرض ہے۔

(۳)

آج کل عام طور پر فقہ و حدیث کو تقویم پارینہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اِسلام کی تعلیمات، قرآن پاک کے کلمات طیبات، اسلاف کے روایات، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے لے کر صحابہ کرامؓ تابعینؒ آئمہ مجتہدین، نیز تبع تابعین اور دُوسرے بزرگانِ دین کے اقوال و افعال سب کچھ انھیں اسلاف کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں پھر یہ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کی شرح حضور پیغمبرِ اِسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت پاک، آل اطہار صحابہ کرام اور ان کے اقوال و افعال وہ سنن و اعمال ہیں جن کو ہمارے اسلاف نے اچھی طرح سمجھا، ان کے مطابق عمل کیا اور بامِ عروج پر پہنچے، آج جبکہ ہم اپنے اسلاف سے دُور سے دُور تر ہوتے جا رہے ہیں، روایات و علوم، عظمت و شان، جاہ و جلال سب کچھ کھو بیٹھے ہیں، تو کچھ مُسلمان مفکرین اپنے مصلحین کے افکار سے الگ ہو کر مغربی افکار کو اپنا رہے ہیں، اور مغربی ثقافت و تمدّن، مغربی تہذیب و معاشرت کو عروج و ترقّی کا زینہ سمجھتے ہیں، مغربی طرزِ معیشت کی ظاہری طمطراق کے آگے ان کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ مغربی اقوال، مغربی روایات اور مغربی خیالات کو اِسلام و دین کی رُوح سمجھ کر عوام کو اور علمار دین کو بھی مغربیت کا پرستار بننے کی دعوت دیتے ہیں۔ کاش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تعلیمات اسلامی کے دعویدار مغربی طرز و تہذیب کے دلدادہ یہ سمجھتے :

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی : کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

اگر ہمارے محققین علوم حاضرہ کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ سے بھی دلچسپی رکھتے تو وہ آثار و فقہ نیز سنت رسول و اسوۂ صحابہ کی روشنی میں حالات حاضرہ کے پیدا کردہ مشکلات کو بڑی آسانی سے حل کر سکتے تھے۔ مگر ایک طرف تو وہ مغربی معاشرت کی جاذبیت کے شکار ہیں، اور دوسری طرف دنیاوی جاہ و دولت کی لالچ ان کے ہوش و خرد کو مفلوج کر چکی ہے، اور اب ان کے آگے سوا اس کے کوئی دوسرا طریق کار نہیں کہ قرآن کے نام پر اسلاف کی روایات اور پیغمبر کی سنت کو بلطایف الحیل اسلامی روح کے خلاف قرار دیں۔ اور

"الذین ضل سعیهم فی الحیاة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا" "یہ وہ ہیں جن کی کوشش دنیاوی زندگی میں رائیگاں گئی، اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ نیک کام انجام دے رہے ہیں"

کے مصداق نہیں۔

آیئے ہم سرسری طور پر فقہا کی رائے کو بھی معلوم کریں کہ وہ ربا کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں، اور ربا کی کیا تعریف کرتے ہیں؟ کیونکہ فقہا کی تو کوشش یہی رہی ہے کہ وہ قرآن و حدیث اور سنت نبوی و آثار صحابہ کے مطابق مسائل کا تجزیہ کریں اور سوچ سمجھ کر فیصلہ سنائیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی شرح الوقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایۃ[1] میں ربا کی تشریح حسب ذیل طور پر کرتے ہیں:

"ربا لغت میں فضل یا زیادتی کو کہتے ہیں، اور شریعت میں ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو بلا کسی عوض کے مشروط ہو، چنانچہ اگر زیادتی نہ پائی جائے تو ربا معدوم ہے، فضل یا زیادتی کبھی حکماً موجود ہوتی ہے، مثلاً جو کے بدلے گیہوں ادھار بیچنے میں زیادتی حکماً پائی جاتی ہے، اور اگر زیادتی مشروط نہ ہو تو بھی ربا نہیں۔ مثلاً بیچنے والا خریدنے والے کو کوئی چیز زائد دے دے جس کی شرط نہ ہو، یا گروی رکھنے والا گروی قبول کرنے والے کو گروی چیز کا پھل ہبہ کر دے بحالیکہ ہبہ کرنے کی شرط نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں "زیادہ" ربا نہیں کہلائے گا اسی طرح فضل یا زیادتی کسی چیز کے عوض میں ہو تو ربا نہیں جیسا کہ بیع کے سارے معاملات میں زیادتی بلا عوض معتبر ہے اور حرام نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ربا النص (یعنی قرآن یا حدیثِ رسولؐ) یا اجماع یا اجتہاد سے ثابت ہے، جو ربا کہ نص سے ثابت ہے وہ مشہور حدیث کی رُو سے گیہوں، جو، کھجور، نمک، اور سونا اور چاندی چھ چیزیں ہیں۔ اہلِ ظواہر ربا کو انھیں چھ چیزوں میں منحصر سمجھتے ہیں، اور اجماع سے ان صورتوں میں ربا ثابت ہے جو مجتہدین کے مستنبط کی ہوئی علتوں سے موافق ہیں، مثلاً احناف کے نزدیک غلہ (حبوب) میں قدر اور جنس کا اعتبار ہے، امام شافعی کے نزدیک طُعم اور مزہ کا، اور امام مالک کے نزدیک طُعم (غذا) اور ادخار (جمع کرنا) معتبر ہے چنانچہ جو غذا کہ نہ وزن کی جاتے نہ ناپی جاتے روزنی ہی ہو تو اس پر ربا کا اطلاق نہ ہوگا، اور جو چیز طُعم یا کھانے کی نہ ہو اس پر امام شافعی کے نزدیک ربا کا اطلاق نہیں ہوگا، اگرچہ یہ چیز وزن یا کیل سے بیچی جاتی ہو۔

" ربا کی قسمیں ہماری تفتیش کے مطابق سات تک پہنچتی ہیں :

۱ ربا القرض، جبکہ ادا میں زیادتی کی شرط نہ ہو۔

۲ ربا الرہن، جیسے شئ مرہون کا نفع،

۳ ربا الشرکۃ، جیسے شریک کے نفع کا اندازہ،

۴ ربا الفساد، جیسے فاسد بیع کے معاملات میں زیادتی،

۵ ربا النساء، جیسے ربا والی شئ کو کسی ربا والی شئے کے اُدھار معاملہ میں زیادتی،

۶ ربا الفضل، جیسے ربا والی چیز کو کسی دوسری ربا والی چیز سے زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے میں،

اور ۷ ربا الحبس جس میں پونجی کے عوض ماہ بماہ کسی متعین مقدار میں زیادہ دیتے ہیں، یہ سیونگ بنک کی صورت ہے۔"

شرح وقایہ میں ربا کی تعریف یہ کی گئی ہے :

" ربا ایسی زیادتی کا نام ہے جو کسی عوض سے خالی ہو اور لین دین میں، خریدنے یا بیچنے والے کے لئے شرط قرار دی گئی ہو۔"

یہ تعریف ہر طرح جامع اور مانع ہے، اور ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز تابعین کے تعامل پر ذیل کی حدیثیں اور آثار شاہد ہیں :-

عبدالرزاق نے اپنی کتاب مصنف میں قاضی شریح سے روایت کی ہے[۱۱] :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ فرماتے تھے:

"چاندی کے ایک سکہ کو چاندی کے دو سکّے (الدرہم بالدرہم) کے عوض لین دین میں جو بھی زیادتی ہوگی ربا ہے۔"

عبدالرزاق عبداللہ بن کنانہ سے روایت کرتے ہیں:

"حضرت ابن مسعودؓ نے چاندی کو چاندی کے عوض تبادلہ کرایا، جب مدینہ آئے تو ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا، تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس کا تبادلہ برابر ہی برابر ہو سکتا ہے۔"

عبدالرزاق ہی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ:

"کسی نے ان سے یہ پوچھا کہ ایک درہم کو دو درہم کے عوض بدل سکتے ہیں یا نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا اس کو ربا العجلان کہتے ہیں"

اور اس تبادلہ کو حرام قرار دیا۔

عبدالرزاق نے حضرت ابن عمرؓ کے متعلق مجاہد سے روایت کی ہے کہ:[12]

"ایک سونار نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ میں سونے کے زیور کو کچھ زیادہ سونے کے عوض بیچتا ہوں، کیا یہ جائز ہے؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: دینار کا دینار کے بدلے، درہم کا درہم کے بدلے بغیر کسی زیادتی کے تبادلہ کرو، اسی بات کا عہد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے لیا اور ہم اسی کا عہد تم سبھوں سے لیتے ہیں۔"

اسی طرح ابن مسیب سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:

"ربا حیوان میں نہیں ہے"[13]

نیز ابن مسیب نے فرمایا:

"ربا سونا چاندی میں نہیں ہے، یہ تو صرف کیل یا وزنی نیز کھانے پینے کی اشیاء ہیں جن میں ربا ہے۔"[14]

ان آثار سے صاف ظاہر ہے کہ ربا کا مفہوم سارے صحابہ کو معلوم تھا، اور اسی طرح تابعین اور تبع تابعین نے بھی سمجھا، اور یہ سب ہمیشہ ربا سے احتراز کرنے کو اپنا عہد سمجھتے رہے۔

ربا کی کسی شکل کو بھی مسلمانوں کے عہد میں کبھی روا نہیں رکھا گیا، یہاں تک کہ غیر مسلموں کے لئے بھی حکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ ربا کا کاروبار نہ کریں، حالانکہ وہ اپنے مذہبی امور میں نیز بعض کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں آزاد تھے، مگر چونکہ سودی کاروبار سے معاشرے پر بُرا اثر پڑتا اور معاشرتی ابتری پیدا ہوجاتی اس لئے ربا کو کسی حال میں بھی جائز نہیں قرار دیا گیا۔

(۴)

فقہا نے ربا کی تعریف لغت اور مفسرین نیز سنت و آثار کے بیان کردہ معانی کے مطابق کی ہے۔

امام جصاص کی تعریف ملاحظہ ہو:

" ھو القرض المشروط فیہ الاجل وزیادۃ مال علی المستقرض "
(ص ۸۱)

"یعنی ربا وہ قرض ہے جو کسی میعاد کے لئے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا راس المال پر کچھ زیادتی کے ساتھ ادا کرے۔"

امام جصاص کی تعریف واضح ہے، اور یہ تعریف "ربوا الفضل" پر بھی صادق آتی ہے، کیونکہ الفاظ "زیادۃ مال" اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔

اسی طرح صحیح مسلم کی ان احادیث کی رُو سے جن میں قرض کی ادائیگی کے وقت زیادتی کو ربا نہیں کہا گیا ہے، بلکہ یہ زیادتی حدیث کے الفاظ میں "حسن قضاء" سے تعبیر کی گئی ہے، امام جصاص کی تعریف کو غیر جامع نہیں کہا جاسکتا۔

نہ صحیح مسلم کے باب:

" باب من استسلف شیئاً فقضی خیراً منہ وخیرکم احسنکم قضاءً "

"یعنی یہ باب اس بارے میں ہے کہ جس نے کچھ قرض لیا اور اس سے بہتر لوٹا دیا، اور یہ کہ تم میں سب سے اچھا وہ شخص ہے جو قرض ادا کرنے میں سب سے اچھا ہے"

سے ربوا کے جواز پر استدلال کرنا، کہ حضورؐ نے قرض لیا اور پھر قرض کی جنس کو بہتر شکل میں ادا کرنے کا حکم دیا، صحیح نہیں۔ موطا امام مالک، صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، سنن ابو داؤد، کتاب البیوع، باب حسن القضاء، جامع ترمذی، کتاب البیوع نیز سنن نسائی و سنن دارمی میں بھی حسن قضاء کی حدیثیں موجود ہیں، ان کے حوالے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ مویشیوں کے بارے میں ایک معمولی جانور کے بدلے اچھے یا کم سن والے جانور کے بدلے زیادہ سن والے جانور کو دینا عین نیکی اور کارِ ثواب ہے تو مال کے عوض زیادہ دینے میں کیوں بُرائی ہوگی؟

یہ ساری احادیث جن سے حسنِ قضا کی ترغیب ظاہر ہے عام ربا والے قرض کی صورتیں پیش نہیں کرتیں۔ ان میں نہ زیادتیِ ادا کی شرط ہے نہ بیع کی شکل (جیسے تبادل ذہب بالذہب ہے)۔ اور ربا کی تعریف میں شرط کا ذکر موجود ہے۔ ربا میں زیادتی کی شرط کو سارے ائمہ مجتہدین نے قرآنی آیات، تعاملِ نبوی، تعاملِ صحابہ کی متابعت میں ملحوظ رکھا ہے۔ اور زیادتی کے ساتھ ادا کرنے کی شرط لگانے ہی کی وجہ سے ربا حرام اور معاشرتی جرم قرار پایا ہے۔

قرآن پاک نے ربا کو حرام قرار دیا اور لوگوں کے ذہن نشین کر دیا کہ مال میں زیادتی کی غرض سے ربا لینا محض زعم فاسد ہے، کیونکہ ربا لینے سے مال میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ ظاہر میں اپنی رقم کا دوگنا سہ گنا ربا کے نام سے سود خوار وصول کرتا ہے، مگر یہ زیادتی درحقیقت زیادتی نہیں ہے، کیونکہ وہ اس زیادہ رقم لینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا مستحق ہوتا ہے اور اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔ اس قسم کے قرض کے معاملے سے جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو منع کیا تو اب انھیں ترغیب دلائی کہ اگر تمہاری خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع کماؤ اور چند در چند منفعت حاصل کرو تو اللہ کے واسطے لوگوں کو قرض دو جس کے عوض تم قرض خواہ سے ربا کا مطالبہ نہیں کرتے، بلکہ کبھی اپنی رقم سے بھی درگزر کر دو تو اللہ تعالیٰ بے شک تمھیں اجرِ کریم اور چند در چند بلکہ بے حساب نفع بخشے گا، چنانچہ قرآن ناطق ہے:

"من ذا الذی یقرض اللہ الخ" (البقرۃ ۲: ۲۴۵) "کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے سو اللہ اس قرض کو چند در چند بہت زیادہ بڑھا دے گا"

(الحدید ۵۷: ۱۱) "کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے قرض کو کئی گُنا کر دے اور نہایت اچھا اور گرانقدر بدلہ دے؟"

(التغابن ۶۴: ۱۷) "اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دیتے ہو تو اللہ تمہارے لئے اس قرض کو چند در چند بڑھا دے گا اور تم کو مغفرت عطا کرے گا۔"

یہ کہنا کہ قرآن کے نزدیک ربٰوا کی ضد بیع نہیں بلکہ صدقہ ہے" مشکل سے قبول کیا جا سکتا ہے، یہ مانا کہ ربا کی ضد بیع نہیں ہے کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ "بیع حلال ہے اور ربا حرام"۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیع ربا کی ضد ہے، کسی فقیہہ نے کہیں یہ نہیں لکھا ہے، اسی طرح قرآنی الفاظ "یمحق اللہ الربا" (اللہ ربا کو مٹا دیتا ہے) اور "ویربی الصدقات" (اور صدقات کو بڑھاتا ہے) کی مناسبت سے صدقہ کو ربا کی ضد نہیں کہہ سکتے، کیونکہ کوئی علم و فہم والا یہ نہیں مان سکتا کہ ربا کی ضد صدقہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تو اس آیت میں صدقہ کی ترغیب یہ کہہ کر دلائی ہے کہ:

"اللہ ربا کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔"

اور 'مٹانے' کے مقابلے میں 'بڑھانے' کو بیان کیا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا صحیح نہیں کہ جاہلیت کا 'ربوا' جس کی تحریم قرآن میں آئی ہے اس کی علت الحکم 'تضعیف فی القرض' (قرض کا چند در چند ہو جانا ہے) کیونکہ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض میں ذرہ برابر بھی زیادتی کو روا نہیں رکھا، فتح مکہ سے لے کر آپ برابر اس پر زور دیتے رہے، اور اہل نجران اور بنو ثقیف سے اس بات پر عہد بھی لیا، اور ربا نہ لینے پر صحابہ کرامؓ کا برابر عمل رہا، پھر "چند در چند کرنے کو" کیونکر حرمت کی علت قرار دی جا سکتی ہے؟ حضورؐ اور صحابہؓ نے تو قرض میں زیادتی کو شرط اور واجب الادا گردانا حرام قرار دیا ہے جیسا کہ قرآنی الفاظ:

"لا تظلمون ولا تظلمون" "نہ تم ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔"

سے ظاہر ہے۔

آیات مذکورہ بالا میں جہاں نہ 'ربوا' کا ذکر ہے نہ صدقہ کا، 'قرض حسن' دینے کی ترغیب ہے۔ بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے "اضعاف کثیرہ" اور 'اجر کریم' نیز مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۵)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس بین الاقوامی دور میں جبکہ ہمارے سارے معاملات بین الاقوامی بنک سے وابستہ ہیں اور بیرونی ممالک سے ہمارے معاملات روز بروز بڑے پیمانے پر فروغ پا رہے ہیں، جن کا سارا کاروبار انٹرسٹ یا سود پر مبنی ہے ایسے ماحول میں ہماری اسلامی حکومت سود سے کیونکر گلو خلاصی کرا سکتی ہے؟

اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں، اور ہر ایک پہلو پر علمائے اسلام کو غور کرنا چاہئے، اور آپس کے مشورے سے کوئی حل تلاش کرنا چاہئے۔ اس مشورہ کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و حدیث نیز فقہ کے واقف کار اور موجودہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتصادیات کے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھیں، اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں، آگے ہم دونوں پہلوؤں پر مزید روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

اس مسئلہ کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اسلامی بنک کا تعلق غیر اسلامی بنکوں سے ہے، اس صورت میں صحابہ سے لے کر آج تک کے علماء کا اتفاق ہے کہ دار الاسلام یا مسلمانوں کی سلطنت غیر مسلموں کی سلطنت یا افراد سے سود لے سکتی ہے، کہ یہ ناگزیر ہے، اس کی بھی مختلف صورتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں کہ ان کا تعلق ممالک خارجہ سے ہے جن میں سے اکثر و بیشتر غیر مسلم حکومتیں ہیں۔ البتہ دوسری مسلمانوں کی حکومتوں سے سودی کاروبار اور ربوی قرض کا لین دین کبھی صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔

دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق اندرون ملک سے ہے، جہاں تک امور داخلہ کا تعلق ہے قرآن و سنت و اجماع سے سودی کاروبار کرنے والے بنکنگ نظام کو روا رکھنے کی صورت نہیں نکلتی، ایسا نظام سراسر اسلامی روح کے خلاف ہے اور اس کی تبدیلی ہر طرح لازم اور ضروری ہے۔ ہر چند کہ آج بہت سی غیر اسلامی باتیں ہمارے معاشرے میں داخل ہو گئی ہیں جو آج مغربی تہذیب کا طرۂ امتیاز سمجھی جاتی ہیں، اور اس لئے اس نقالی دور میں جبکہ ہر فرد مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے، یہ مغربی عناصر ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے ہیں، پھر بھی ہم ان عناصر کو ہرگز وہرآئینہ اسلامی قرار نہیں دے سکتے، اور ہمارا فرض ہے کہ ایسے عناصر سے احتراز کریں، بلکہ ان کو زبردستی دور کرنے کی فکر کریں، اسی طرح ربا جس کو قرآن نے صاف اور صریح لفظوں میں بلا لحاظ کمی و بیشی حرام قرار دیا ہے اور جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں سے بھی عہد لیتے تھے کہ وہ ہرگز ربا نہ کھائیں گے، یہ اسلامی حکم عہد صحابہ، عہد خلفاء راشدین اور ہمیشہ بعد میں اجماع کے ساتھ آج تک باقی رہا۔ تو اب اسلامی ممالک کی غربت و افلاس اور زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے اسلام ایک حرام شئے کے حلال کرنے کی صورت کو ہرگز وہرآئینہ روا نہ رکھیں گے۔

قرآنی ترغیب "قرض حسن" کی موجود ہے، کیوں نہیں کچھ احتیاط کے ساتھ ہم اس قرآنی حکم پر عمل پیرا ہوتے اور صحیح طور پر اور اسلامی طرز پر تعاون و ہم آہنگی، اخوت و مساوات کا مظاہرہ کرتے؟

مگر افسوس تو اس بات پر ہے کہ ایک طرف ہم رفاہ عام، معاشرتی اور سماجی بھلائی کے گن گاتے ہیں اور دوسری طرف ہم اسلامی اصلاح معیشت کے اصولوں سے لاپرواہی برتتے ہیں، اور ان کے "بے سود" ہونے کا رونا روتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج ہماری قوم کو یہ روگ الگ لاحق ہے کہ اپنے اسلامی احکام سے روگردانی کرکے مغربی قوانین واصول کی پابندی کو اپنے لئے ترقی و بہبودی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں، بلکہ اسی کو عین دین وایمان سمجھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حوالہ جات

۱ ماہنامہ فکر ونظر جلد ۱، شمارہ ۵، بابت نومبر سنہ ۱۹۶۳ء صفحہ ۹۸۔

۲ تفسیر طبری، تحقیق محمد محمود شاکر واحمد محمد شاکر، دار المعارف مصر جلد ۷ ص ۲۰۷ وجلد ۶ ص ۲۲۱۳

۲* روح المعانی لشہاب الدین السید محمود الالوسی، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر جلد ۴ ص ۵۵۔

۳ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مادہ "USUARY"۔

۴ سنن ابن ماجہ، اصح المطابع سنہ ۱۳۱۵ھ، لکھنو ص ۱۶۵۔

۵ احکام القرآن، جلد ۱، مطبعۃ الاوقاف الاسلامیۃ، دار الخلافۃ سنہ ۱۳۳۵ھ، ص ۴۶۶۔

"....... وقد کان ابن عباسؓ یقول لا ربا الا فی النسیئۃ ویجوز بیع الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ متفاضلا، ویذھب فیہ الی حدیث اسامۃ بن زید، ثم لما تواتر عندہ الخبر عن النبیؐ بتحریم التفاضل فی الاصناف الستۃ رجع عن قولہ۔

۶ عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح، مثلا بمثل یدا بید فمن زاد اواستزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیہ سواء۔ (متفق علیہ)

۷ احکام القرآن لابی بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی، تحقیق علی محمد البجاوی، دار الکتب العربیۃ القسم الاول، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء، ص ۲۴۱: والصحیح انھا عامۃ، لأنھم کانوا یتبایعون ویربون، وکان الربا عندھم معروفا، یبایع الرجل الرجل الی أجل، فاذا حل الاجل قال: أتقضی ام تربی؟ یعنی أم تزیدنی علی مالی علیک وأصبر أجلا آخر، فحرم اللہ تعالی الربا وھو الزیادۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸ تفسیر الطبری، دار المعارف، مصر، جلد ۶ صفحہ ۲۳: قال : كانت ثقيف قد صالحت النبیؐ على أن مالهم من ربًا على الناس وما كان للناس عليهم من ربًا فهو موضوع، فلما كان الفتح، استعمل عتّاب بن أسيد على مكة، وكانت بنو عمرو بن عمير بن عوف يأخذون الربا من بنی المغيرة، وكانت بنو المغيرة يُربون لهم فی الجاهلية، فجاء الاسلام ولهم عليهم مال كثير، فأتاهم بنو عمرو يطلبون رباهم، فأبى بنو المغيرة ان يعطوهم فی الاسلام، ورفعوا ذلك الى عتاب بن اسيد، فكتب عتّاب الى رسول اللهؐ فنزلت "يٰايها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربا إن كنتم مومنين، فإن لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله" الی "ولا تظلمون" فكتب بها رسول اللهؐ الى عتّاب وقال: "إن رضوا وإلا فاذنهم بحرب"

۹ احكام القرآن لابی بكر احمد بن علی الرازی الجصّاص، مطبعة الاوقاف الاسلامية، دار الخلافة، ص ۴۶۴،
وقال عمر بن الخطاب ان من الربا ابوابا لا تخفی منها السلم فی السن يعنی الحيوان، وقال عمر أيضا إن آية الربا من آخر ما نزل من القرآن، وان النبیؐ قبض قبل ان يبينه لنا فدعوا الربا والريبة، فثبت بذلك ان الربا قد صار اسما شرعيا لأنه لو كان باقيا على حكمه فی اصل اللغة لما خفی على عمرؓ لانه كان عالما باسماء اللغة لأنه من اهلها، ويدل عليه ان العرب لم تكن تعرف بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة نساء ربا وهو ربا فی الشرع. ايضاً دیکھو تفسیر روح المعانی للآلوسی، جلد ۳ صفحہ ۵۵،

۱۰ شرح الوقاية مع عمدة الرعاية جلد ۳ صفحہ ۶۳، مجتبائی، دہلی ۱۹۲۹ء

۱۱ مخطوط مصورہ ورق ۱۴۸ ب (اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، کراچی): ...... عن شريح عن عثمان عمر الدرهم بالدرهم فضل ما بينهما ربا،
ورق ۱۴۸ الف : عن عبد الله بن كنانه ان ابن مسعودؓ صرف فضه بورق فی بيت المال، فلما اتى المدينة سُئل، فقيل انه لا يصلح الامثل بمثل، قال ابو اسحق فاخبرنی البوعـ ... انه رأى ابن مسعود يطوف بها يردها ويمر على الصيارفة ويقول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لایصلح الورق بالورق الا مثل بمثل،

اخبرنا عبد الرزاق اخبرنا الثوری عن عباس العامری عن مسلم بن بدر السعدی قال سمعت علیا وسأله رجل عن الدرھم بالدرھمین، فقال ذلک الربا العجلان، عن علی انه سئل عن درھم بدرھمین فقال ذلک الربا العجلان.

۲ے نفس مرجع سابق، عن مجاھد ان صائغا سأل ابن عمر فقال یا ابا عبد الرحمن انی اصوغ ثم ابیع الشیء باکثر من وزنه واستفضل من ذلک قدر عملی او قال عمالتی، فنھاہ عن ذلک فجعل الصائغ یرد علیه المسألة ویأبی ابن عمر حتی انتھی الی بابه او قال باب المسجد فقال ابن عمر: الدینار بالدینار والدرھم لا فضل بینھما، ھذا عھد نبینا صلی اللہ علیه وسلم الینا وعھدنا الیکم،

۳ے مرجع سابق، ورق ۱۳۰ الف: اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزھری سألته عن الحیوان بالحیوان نسیئة، فقال سئل ابن المسیب عنه فقال لا ربا فی الحیوان .... عن ابن المسیب انه قال لا ربا الا فی الذھب والفضة او فیما یکال او یوزن مما یوکل ویشرب،

شاہ ولی اللہؒ کی دو اہم کتابیں

تاویل الاحادیث اور تفہیمات (جلد اول)

طبع ہوگئی ہیں

قارئین کرام اس پتے سے طلب فرما سکتے ہیں

شاہ ولی اللہ اکیڈمی ★ پوسٹ بکس ۲۳ حیدرآباد۔ صدر (پاکستان)

© rasailojaraid.com